اسلام اور دیگر مذاہب میں حج کا فلسفہ

(خطبہ عیدالاضحیہ فرمودہ ۲۱؍مئی ۱۹۹۴ء بمقام اسلام آباد، ٹلفورڈ، انگلستان)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کریمہ کی تلاوت فرمائی:

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۙ﴿۳۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِى الصَّلٰوةِ ۙ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۶﴾ (الحج: ۳۶،۳۵)

اور پھر فرمایا:

یہ آیات سورۃ الحج کی آیات پینتیس اور چھتیس ہیں جن کی میں نے تلاوت کی ہے۔ ان کا ترجمہ یہ ہے کہ ہر قوم اور ہر ملت کے لئے ہم نے قربانیوں کا ایک طریق مقرر فرما رکھا ہے لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ تا کہ جو کچھ بھی اللہ نے انہیں رزق عطا فرمایا ہے اس پر وہ اللہ کا نام لیں مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ان جانوروں میں سے جو چوپائے ہیں۔ جب ان کو وہ خدا کی خاطر، خدا کے نام پر اس کی اجازت سے قربانی کے لئے پیش کریں یا کھانے کے لئے استعمال کریں تو ان پر اللہ کا نام پڑھا کریں۔ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ اور تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا پس اسی کے حضور فرمانبرداری کے ساتھ جھکو وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ اور وہ لوگ جو عاجزی اختیار کرتے

ہوئے خدا کے حضور جھکتے ہیں ان کو خوش خبری دے دو۔ وہ لوگ کہ جب اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے دل تھرتھرا اٹھتے ہیں اور وہ جو مصیبت ان کو پہنچتی ہے اس پر صبر کرنے والے ہوتے ہیں اور نمازوں کو قائم کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں یعنی اللہ کے نام پر، نیک کاموں پر اس رزق کو خرچ کرتے ہیں۔

پس یہ شرطیں ہیں ان لوگوں کی جو خدائے واحد کے بندے ہیں اور یہ تمام شرطیں ہیں جو انہیں انسانی نقطہ نگاہ سے ایک ہاتھ پر جمع کر کے خدائے واحد سے ان کا تعلق پیدا کرتی ہیں۔ یعنی خدا کے نام پر دلوں کا تھرتھرا جانا، یعنی جھرجھری طاری ہو جائے دلوں پر جب اللہ کا نام سنیں۔ یہ مراد نہیں کہ ہر وقت، ہر مجلس میں جب خدا کا نام آئے تو ایسا واقعہ ہو مگر مراد یہ ہے کہ ان کی زندگیوں میں بعض ایسے لمحے آتے ہیں کہ جب اللہ کا نام سنتے ہی محبت اور عشق اور اس کے رعب سے جھرجھری طاری ہو جاتی ہے اور دلوں پر گویا ایک قسم کا زلزلہ آجاتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق فرمایا کہ وہ صبر کرنے والے ہیں۔ ایک یہ صفت ہے جس سے وہ پہچانے جا سکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں یعنی عبادت کرتے ہیں۔ نماز سے مراد ضروری نہیں کہ اسلامی نماز ہی یہاں مذکور ہو کیونکہ تمام دنیا کی تمام قوموں کا ذکر چل رہا ہے۔ اور جو کچھ ہم انہیں دیتے ہیں اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہ تین بنیادی صفات ہیں جو انہیں خدائے واحد سے جوڑتی ہیں اور ان صفات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہوتا ہے اور جہاں تک دنیا کے مذاہب پر نظر ڈالی جائے خواہ وہ کسی قوم، کسی خطۂ ارض سے تعلق رکھتے ہوں، کسی زمانے کے ہوں ان سب میں یہ قدر مشترک آپ کو دکھائی دے گی۔ پس حج کے ذکر میں وہ باتیں بیان فرمائی جارہی ہیں جن کا تمام بنی نوع انسان سے تعلق ہے اور اس پہلی آیت کا جو میں نے تلاوت کی عنوان ہی یہ لگایا ہے وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ ہم نے ہر قوم کے لئے ایک قربانی کا طریق مقرر فرما رکھا تھا۔

یہ مضمون صرف مسلمانوں سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ تمام بنی نوع انسان سے تعلق رکھتا ہے اور حج کا مضمون بھی صرف مسلمانوں ہی سے نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان سے تعلق رکھتا ہے اسی لئے قرآن مجید نے جہاں خدا کے پہلے گھر کی تعمیر کا ذکر فرمایا جو بکہ میں واقع ہے تو فرمایا یہ تمام بنی نوع انسان کی خاطر بنایا گیا تھا۔ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ (آل عمران:۹۷) وہ

پہلا گھر جو ہدایت کے لئے بنی نوع انسان کی خاطر بنایا گیا وہ مکہ میں واقع ہے۔پس حج دراصل مسلمانوں کے ایک ہونے کی علامت نہیں ،مسلمانوں کے امت واحدہ بننے کی علامت نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان کے امت واحدہ بننے کی علامت ہے۔اور اس پہلو سے حج کا مضمون دنیا کی ہر مذہبی قوم میں پایا جاتا ہے گویا دنیا کی تمام قوموں کو ایک ہاتھ پر جمع کرنے کے لئے آغاز ہی سے تیار کیا جارہا تھا۔اگر عیسائیوں میں آپ دیکھیں تو عیسائیوں میں بھی حج کا مضمون نہ صرف پایا جاتا ہے بلکہ اس کثرت سے مختلف مواقع کے حج کئے جاتے ہیں کہ شاید مذہبی تاریخ میں اس سے زیادہ حج کے مقامات آپ کو کہیں دکھائی نہ دیں گے جتنا عیسائی قوم میں ملتے ہیں۔خصوصاً رومن کیتھولکس میں مختلف Saints کے نام پر مختلف حج کی جگہیں بنا رکھی ہیں۔کہیں وہ لوگ ننگے پاؤں پیدل سفر کر کے جاتے ہیں، کہیں بعض اور خاص رسوم ادا کرتے ہوئے جاتے ہیں۔غرض یہ کہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں ایسے مقامات عیسائی قوم میں متبرک سمجھے جاتے ہیں جہاں وہ سال میں یا چند سالوں میں ایک دفعہ حج کرنا اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے ہیں۔

یہود کا حج فلسطین میں واقع یروشلم سے تعلق رکھتا ہے اور سب دنیا جانتی ہے کہ یروشلم کے مقدس مقامات کی زیارت اور وہاں دیوار گریہ سے مثلاً سر پیٹنا اور مسیح کی آمد کے لئے دعائیں کرنا یہ ان کا ایک قسم کا حج ہے۔اور اسی طرح ہیکل سلیمانی ہے،اس کی زیارت اور دوسرے مقدس مقامات کے گرد چکر لگانا، یہود میں بھی گویا حج کی یہ رسمیں پائی جاتی ہیں۔

اور جہاں تک ہندوؤں کا تعلق ہے، ہندوستان کی سب سے بڑی قوم ہندو ہے اور مذہبی لحاظ سے ان میں بھی بہت سے ایسے متبرک مقامات ہیں جہاں باقاعدہ ہر سال حج ادا کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس کو یاترا کہتے ہیں۔مقدس مقام پر جانا اور حج کرنا اسے یاترا کہا جاتا ہے۔اڑسٹھ (۸۶) ایسے مقدس مقامات ہندوستان میں ہیں جہاں یا کسی نہ کسی فرقے کا حج کا مقام ہے یا تمام ہندو اسے متبرک سمجھتے ہیں اور سب سے زیادہ مقدس بنارس ہے۔ بنارس میں ہر سال تقریباً دس لاکھ ہندو حج کے لئے جمع ہوتے ہیں۔اسی طرح متھرا ہے اور بہت سے مقامات ہیں جن میں حج کیا جاتا ہے۔اس کی ساری فہرست تو میں آپ کو پڑھ کر سنا نہیں سکتا لیکن تیرتھ یاترا کے جو دو اہم بنیادی مقامات ہیں ان میں سے بنارس سب سے بڑا ہے اور اس کے بعد جگناتھ پوری ہے اور عجیب بات ہے کہ ہر جگہ حج

کے ساتھ کم و بیش ایک ہی قسم کے مناسک کا تعلق ہے۔ ہر حج کے ساتھ قربانی کا مضمون لاحق ہے اور جڑا ہوا ہے اسے حج کے تصور سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

مختلف دنیا میں جو حج کئے جاتے ہیں ان میں سر منڈانا بھی شامل ہے چنانچہ جب آپ ہندوؤں کی تیرتھ یاترا کو دیکھیں تو بکثرت سر مونڈے جاتے ہیں۔ صرف ایک لٹ نشانی کے طور پر باقی رکھ لی جاتی ہے باقی تمام سر جس کو وہ خدا سمجھتے ہیں اس کی خاطر مونڈ دیئے جاتے ہیں اور اسی طرح وہ مقدس مقامات کے طواف بھی کرتے ہیں وہاں کئی قسم کے بھجن گاتے ہیں، اپنے لباس کو وہ کم سے کم کرتے ہیں۔ بعض صرف ایک گھیروی چادر میں لپٹے ہوئے حج کرتے ہیں یعنی تیرتھ یاترا۔ غسل بھی حج کے ساتھ متعلق ہے۔ بنارس کے پانی کو منبع سے لے کر اس کے آخر تک مقدس سمجھا جاتا ہے اور وہ پانی تبرک کے طور پر اسی طرح وہ لے کر اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں جس طرح مسلمان حج کرنے والے آب زمزم کی بوتلیں بھر کر اپنے گھروں کو واپس آتے ہیں۔

تو یہ ایک عجیب مضمون ہے جس کو قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے اور کسی کتاب نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ آپ دنیا بھر کے مذاہب کا مطالعہ کر کے دیکھ لیجئے حج کا ذکر تو وہاں ملے گا مختلف رنگ میں۔ لفظ حج استعمال ہو یا نہ ہو لیکن ایسا عبادت کا مفہوم جس میں ایک مقدس مقام کی زیارت ہو۔ جاتے ہوئے ان میں بہت سے ایسے ہوں جو سر مونڈ چکے ہوں اور یہ بھی ایک اخلاص کی اور سپردگی کی علامت ہے۔ پھر کپڑوں میں سادگی، ایک چادر میں لپٹے ہوئے ہونا، پھر اشنان کرنا اور وہاں سے کوئی مقدس چیز تبرک کے طور پر لے کر واپس لوٹنا، وہاں جا کر قربانیاں کرنا، یا بنی نوع انسان کی بہبود کے لئے کثرت سے خیرات کرنا اور بنی نوع انسان کی خاطر یا اللہ کی خاطر بنی نوع انسان کی خدمت کرنا۔ یہ تمام وہ مضامین ہیں جن کا حج سے تعلق ہے۔ پس یہ ایک عالمگیر نظام ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو بالآخر ایک ہاتھ پر اکٹھا کرنے کے لئے بنایا۔

لیکن یہ ایک عجیب بات ہے اور مسلمانوں کے لئے انتہائی دکھ کا مقام ہے کہ وہ حج جو بعض مخصوص قوموں یا ملکوں یا مذاہب سے تعلق رکھتے تھے اور عالمگیر نہیں تھے ان کے حج کے مقامات پر تو تمام بنی نوع انسان کو کھلی اجازت ہے کہ وہ آئیں اور اسی طرح حج کریں لیکن وہ حج جو تمام حجوں کا ارتقا تھا، جس کی تیاری کی خاطر تمام بنی نوع انسان کو، تمام مذاہب کو تربیت دی جا رہی تھی وہاں اب قدغن

لگ چکی ہے اور تالے پڑے ہوئے ہیں اور پہرے دار بیٹھے ہیں کہ مسلمانوں کے سوا اور کسی کو حج کی اجازت نہ دی جائے۔ حیرت ہوتی ہے اور انسان دکھ سے بے قرار ہو جاتا ہے کہ عجیب بات ہے کہ وہ ایک حج جس کے متعلق قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ اس گھر کے ارد گرد کیا جاتا ہے جو اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ پہلا گھر جو تمام بنی نوع انسان کے لئے بنایا گیا تھا وہاں تمام بنی نوع انسان کو جانے کی اجازت نہیں ہے اور وہ گھر جو بعض محدود قوموں کے لئے، بعض خاص مذاہب کے لئے بنائے گئے تھے ان کے دل اتنے وسیع ہیں کہ وہ تمام دنیا کو دعوت دیتے ہیں کہ بے شک آئیں اور ہماری طرح حج کریں۔ یہ شرط سب میں قدر مشترک ہے۔ اگر آپ ہندوؤں کی تیرتھ یاترا کریں یعنی حج کے مقامات کی زیارت کریں تو قدرتی بات ہے کہ وہ یہ اتنا نہیں پسند کریں گے کہ آپ وہاں جا کر نعرہ ہائے تکبیر بلند کریں اور مسلمانوں کی طرح وہاں اپنی رسوم عبادت ادا کریں۔ اگر آپ عیسائیوں کے کسی حج میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو قدرتی بات ہے کہ وہ یہ پسند نہیں کریں گے۔ مگر اگر آپ ان کی عبادتوں کے طریق کو اپناتے ہوئے وہاں جاتے ہیں تو اس سے ان کو کوئی غرض نہیں کہ آپ کے مذہب کا نام کیا ہے؟ کس قوم سے، کس ملک سے تعلق رکھتے ہیں؟ ان کی طرح ان کے مقدس مقامات پر فریضہ عبادت ادا کریں تو سب کے لئے کھلی اجازت ہے کہ شوق سے آئیں اور جو چاہیں کریں۔ لیکن جس حج کی ممانعت کا میں ذکر کر رہا ہوں وہاں یہ بحث نہیں ہے کہ کوئی مسلمانوں کی طرح حج کرتا ہے یا نہیں؟ بحث تو یہ ہے کہ اس کا مذہب کیا ہے؟ اگر اس کا مذہب کچھ اور نکلے اور پولیس کی تحقیقات سے ثابت ہو جائے کہ اس کا دراصل مذہب عیسائیت تھا یا کچھ اور تھا تو ان کو کڑی سزائیں دی جائیں گی۔

پس کیسا مضمون الٹ گیا ہے! تہ و بالا ہو گیا ہے۔ وہ حج کا ایک مقام جو تمام بنی نوع انسان کے لئے بنایا گیا تھا وہ تمام بنی نوع انسان کے لئے کھلا نہیں رہا اور وہ مقامات جو خاص قوموں کے لئے بنائے گئے تھے وہ تمام بنی نوع انسان کو اپنے ہاں آنے اور تیرتھ یاترا کی اجازت دیتے ہیں بلکہ اگر کوئی آئے تو وہ اس پر فخر محسوس کرتے ہیں۔

پس حج کا یہ جو مرکزی نقطہ ہے اسے آپ یاد رکھیں اور جماعت احمدیہ کو ہمیشہ کے لئے یہ پیغام دل نشین کر لینا چاہئے کیونکہ ہم نے اسلام کی سچی قدروں کو دوبارہ اجاگر کرنا ہے اور تمام بنی نوع انسان کو قرآن کی تعلیم کی طرف بلانا ہے اور قرآن کی تعلیم کے ان حسین پہلوؤں کو جو بعض لوگوں کے

تعصّبات کے تلے دب چکے ہیں جیسے کسی خوبصورت چیز پر رفتہ رفتہ گرد کی تہیں جم جاتی ہیں انہیں صاف کرنا ہے، اس گرد کو دور کرنا ہے، یہ روحانی غسل خانہ کعبہ کو دینا ہے کہ جس غسل کے بعد پھر وہ خانۂ کعبہ ابھرے جو محمد رسول اللہؐ کے دل پر جلوہ گر ہوا تھا، جس کی ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ نے تعمیر کی تھی اور وہ اجنبی لوگ جن کا نام نہیں لیا گیا اور ہمیشہ دل حیرت سے ان کا تصور باندھتا ہے کہ قرآن کریم میں ان کا بے نام کے ذکر ہے۔ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ کچھ خدا کے بندے ایسے تھے جنہوں نے وہ گھر تعمیر کیا تھا، کون تھے؟ ہم نہیں جانتے۔ کتنے زمانے پہلے کی بات ہے؟ ہمیں کچھ علم نہیں۔ مگر وہ پہلا گھر جو تمام بنی نوع انسان میں مشترک تھا یقیناً اسی زمانے کی تعمیر ہوگا جب کہ بنی نوع انسان خود ایک خاندان کی طرح تھے، جبکہ انسانیت کا آغاز ہوا تھا، جبکہ حیوانی دنیا سے ایک عظیم ارتقا کے نتیجہ میں، ایک حیرت انگیز انقلابی ارتقاء کے نتیجہ میں انسان کا وجود پہلی دفعہ منصۂ شہود پر ابھرا، اس عالم میں ایک حیرت انگیز اضافہ ہوا۔ اچانک گونگے جانوروں کی بجائے جو اپنے مافی الضمیر کو وضاحت سے ادا کرنے سے قاصر تھے ایک ایسا وجود ابھرا جو سَمِيْعًا بَصِيْرًا (الدھر:۳) تھا۔ وہ سنتا بھی تھا اور دیکھتا بھی تھا اور بولنے کی اور بیان کی طاقت رکھتا تھا۔

وہ زمانہ ہے جس کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم کی یہ آیت اشارہ کرتی ہے اور اسی لئے اس گھر کا ایک نام ''بیت عتیق'' رکھا گیا ہے۔ قرآن کریم میں اس کے مختلف نام ہیں ان میں سے ایک نام بیت عتیق ہے یعنی قدیم ترین گھر۔ اب یہ عجیب بات ہے کہ بعض دوسرے مذاہب میں بھی عتیق ہونے کے دعوے ان کے مقدس مقامات سے وابستہ ہیں اور جہاں تک ہندوازم کا تعلق ہے ان کے نزدیک تو ان کی کتاب بھی یعنی وید مقدس اتنی قدیم ہے کہ زمانے کے آغاز سے پہلے تھی اور قدیم ترین ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی تہذیب بھی قدیم ترین ہے اور ان کے مقدس مقامات بھی قدیم ترین ہیں حالانکہ جہاں تک بنارس کا تعلق ہے، معلوم انسانی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ بنارس پہلی مرتبہ مسیح سے چھ سو سال قبل وجود میں آیا اور اس کے تقدس کی تاریخ مسیح سے چھ سو قبل شروع ہوتی ہے یعنی حضرت بدھ علیہ السلام سے ایک سو سال پہلے۔ مگر قدامت کے دعوے بہر حال موجود ہیں اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ قدامت کے دعوے ان قوموں نے پرانی قوموں سے ورثے میں پائے ہیں اور قدامت سے مراد وہی ایک گھر ہے جسے ''بیت عتیق'' کہا گیا ہے اور اس گھر سے وابستہ پیغام ہی قدیم

ترین پیغام ہے اور وہی ہے جو سب سے پہلے وجود میں آیا اور وہ دین ابراہیمی ہے، جو ابراہیمؑ سے پہلے ہی وجود میں آ چکا تھا۔

جب ہم یہ سنتے ہیں کہ ہندوؤں کا دعویٰ ہے کہ وید آفرینش سے پہلے، انسان یا کائنات کی بناوٹ سے پہلے سے موجود ہیں تو بظاہر تعجب کی بات ہے اور بعض لوگ نادانی میں اس خیال کو ایک غلط خیال سمجھ کر رد کر دیتے ہیں۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ تمام کلام الٰہی، اس کا کچھ بھی نام رکھ دیا جائے، وہ ہمیشہ سے ہے ان معنوں میں کہ لوح محفوظ میں وہ کلام موجود تھا۔ ابھی تخلیق کائنات بھی نہیں ہوئی تھی تو الٰہی کلام خواہ وہ کسی نام سے دنیا پر ظاہر ہوا ہو وہ ان معنوں میں موجود تھا۔ یہی وجہ ہے یعنی اس مفہوم کو سمجھتے ہوئے پرانے زمانے میں یعنی اسلام کے وسطی ازمنہ میں اس بات پر بہت بحثیں چلیں کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق ہے اور یہ بحثیں اتنی شدت اختیار کر گئیں کہ بعض لوگ جو اس بات کے قائل تھے کہ قرآن مخلوق ہے جب ان کا زور چلا تو ان لوگوں کو انہوں نے کوڑے مروائے، ان کو پھانسیوں پر چڑھا دیا۔ بعض دفعہ ان کی قبریں اکھیڑیں اور انہیں مرنے کے بعد ان کے پنجروں کو پھانسی پر لٹکایا کہ وہ ہمارے عقیدے کے خلاف بات کرتے ہیں اور وہ لوگ جو یہ سمجھتے تھے کہ خدا کا کلام ہمیشہ سے ہے، اسے مخلوق کہنا قرآن کی یا کلام کی بے حرمتی ہے، وہ جب طاقت میں آتے تھے تو وہ لوگ جو کہتے تھے کہ مخلوق ہے ان کو کوڑے لگائے جاتے تھے اور ایسے ایسے دردناک واقعات اسلامی تاریخ میں اس موضوع پر ملتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ جو چار فقہوں میں سے ایک فقہ کے ایک عظیم امام ہیں، آج کی دنیا میں ہم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ ان کے خلاف کوئی حکومت فتویٰ دے یا کچھ علماء کفر کا فتویٰ دیں۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ الٰہی کلام قدیم سے نہیں بلکہ ازل سے ہے اور وہ چیز جو خدا کی ذات کے ساتھ ہمیشہ سے موجود ہو وہ ایک قسم کا Blue Print ہے جس میں وہ محفوظ ہوتا ہے، اس کو تخلیق نہیں کہہ سکتے۔ چنانچہ اس جرم میں ان کو پابہ سلاسل اور ہاتھوں میں بھاری ہتھکڑیاں ڈال کر قضا میں پیش کیا گیا۔ قضا سے فتویٰ صادر ہوا یہ شخص اول قسم کا مرتد اور دنیا کو گمراہ کرنے والا اور بہکانے والا ہے۔ چنانچہ ان کی سزا یہ مقرر کی گئی کہ کڑی دھوپ میں ان کو زنجیروں میں باندھ کر بٹھایا گیا اور جلاد ان پر کوڑے برساتا رہا اور جب ایک جلاد تھک جاتا تھا تو ایک اور جلاد ان پر کوڑے برسانے کے لئے آ جاتا تھا اور برستے ہوئے

کوڑوں میں وہ یہی کہتے رہے کہ کلام اللہ تخلیق نہیں ہے، اللہ کا کلام ہمیشہ سے خدا کے ساتھ ہے۔

پس عتیق کے معنی سمجھنے میں بھی لوگوں نے بڑی بڑی غلطیاں کھائی ہیں اور خدائی اپنے ہاتھوں میں لی ہے اور خدا کے پاک بندوں کو اذیت دینے اور دردناک سزائیں دینے کی ذمہ داری قبول کر لی، یہ جسارت کی کہ خدا بن بیٹھے اور اس دنیا میں ہی میدان حشر قائم کر دیا۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ انسان کو آخر انسانیت سیکھنی ہوگی۔ کوئی الٰہی تعلیم انسانیت سے ہٹ کر اور اس سے متصادم نہیں ہو سکتی۔ یہ ایک بنیادی قانون ہے جس میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی نہ کبھی آئندہ ہوگی۔ پس ہر وہ تعلیم جو سچی ہے اس کی اصطلاحوں کے وہ معنی ہی قابل قبول ہوں گے جو ہر فطرت کو یعنی انسانی فطرت کو قبول ہوں۔ صرف ذہنی ورزشوں کے نتیجہ میں معنی ظاہر نہ کئے جائیں بلکہ گہرے انسانی فطرت سے وابستہ معنی ہوں۔ پس ان معنوں میں جب ہم خانہ کعبہ کو قدیم دیکھتے ہیں اور بعض دوسرے مذاہب کے دعاوی اس کے مقابل پر دیکھتے ہیں جب وہ کہتے ہیں کہ ہمارے مراکز قدیم سے ہیں تو اس میں کسی اشتعال انگیزی کی بات نہیں، کسی غصہ اور بھڑک اٹھنے کی بات نہیں ہے، کوئی حرج نہیں ہے اگر ہندو اپنے مقدس مقامات کو قدیم کہتے ہیں یا اپنی ویدوں کو قدیم کہتے ہیں۔

قرآن کریم نے اس مسئلہ کو اس طرح حل کیا کہ قدیم اس چیز کو کہا جس کا کوئی نام نہیں رکھا اور صرف خدا سے اور بنی نوع انسان سے وابستہ کر دیا۔ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ وہ پہلا گھر جو بنی نوع انسان کی خاطر، جس میں تمام بنی نوع انسان شامل ہیں۔ ان میں ہندو بھی ہیں، عیسائی بھی ہیں، سکھ بھی ہیں، یہودی بھی ہیں، زرتشتی بھی ہیں، بدھسٹ بھی ہیں، تاؤسٹ بھی کہتے ہیں، کنفیوشسٹ بھی ہیں، ہر قسم کے مذاہب جن کا آپ تصور باندھ سکتے ہیں وہ تمام اس آیت کے فیض کے دامن میں ہیں، اس فیض کے سائے میں ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان سب کی خاطر ہم نے پہلا گھر یہاں بننے دیا تھا یا ایسا واقعہ ہوا کہ پہلا گھر یہاں بنایا گیا۔ اب اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کون لوگ تھے؟ ان کا مذہب کیا تھا؟ اس کا کوئی نام نہ بتایا گیا ہے نہ ہمیں سوچنے کی ضرورت ہے کیونکہ ناموں ہی سے بعد میں یہ جھگڑے چلے ہیں۔ ان کا مذہب وہی ہے جو ان آیات کریمہ میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ لوگ وہ تھے جنہوں نے خدا کی خاطر، خدا ہی سے قربانی کرنے کے طریق سیکھے اور **ذللا** جھکتے ہوئے

اور عاجزی کے ساتھ ان رستوں کی پیروی کی اور پھر ان میں جو صفات ابھری ہیں وہ یہ تھیں کہ اللہ کی محبت ان کے دلوں پر قابض ہوگئی۔ اللہ کی محبت نے ان کے دلوں پر غلبہ پا لیا اور خدا کا نام سن کر بعض دفعہ ان کے دلوں پر ایک زلزلہ طاری ہو جاتا تھا۔ یہ وہ لوگ ہیں جب بھی ان کو دنیا میں تکلیفیں پہنچتی ہیں، یہ صبر کرتے ہیں اور واویلا نہیں کرتے۔ عبادت کو قائم کرتے ہیں اور بنی نوع انسان کے لئے اللہ کی خاطر خرچ کرتے ہیں۔

پس یہ وہ صفات ہیں جن کی خاطر، جن کو پھیلانے کے لئے ہمیں عالمی جہاد کرنا ہوگا اور اگر ہم یہ جہاد کریں اور خدا کی عبادت کو خدا کی خاطر خالص کر کے قائم کر دیں اور ایسے دل پیدا کریں جو اللہ کی محبت میں گرفتار ہوں اور ایسے صابرین پیدا کریں جن کو ہر مصیبت خدا کی محبت میں آسان دکھائی دیتی ہو۔ صبر کی یہ تعریف ہے جو سمجھنی ضروری ہے اور اس حج کے تعلق میں صبر کا مضمون آپ پر روشن کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ حج کے ساتھ صبر کا ایک گہرا تعلق ہے۔ اس کی تفصیل میں آج نہیں جاؤں گا لیکن پھر کبھی انشاء اللہ اس مضمون کو کھولوں گا لیکن سر دست یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ صبر کا حج کے ساتھ ایک بہت گہرا اور دائمی تعلق ہے۔ صبر کے نتیجے میں حج عطا ہوتا ہے اور حج کے مناسک ادا کرنے کی توفیق ملتی ہے۔ اس خانہ کعبہ کی تعمیر نو جب ہوئی تھی تو اس میں بھی تو صبر ہی تھا جو سب سے زیادہ کارفرما تھا۔ حضرت ہاجرہؑ اور آپؑ کے بیٹے اسماعیلؑ نے جو نمونے خدا کی خاطر دکھائے ہیں وہ صبر کے ہی نمونے تھے۔ کس طرح بیٹا وہاں پیاس کی شدت سے ایڑیاں رگڑ رہا تھا اور کس بے چینی سے ماں صفا اور مروہ کے درمیان چکر لگا رہی تھی جیسے کوئی غم میں دیوانی ہو چکی ہو اور پھر بھی خدا کی خاطر اس نے صبر کیا اور اس بچے نے صبر کیا اور ابراہیمؑ ان کے باپ نے صبر کیا اور اس کے نتیجے میں حج کا وہ جاری چشمہ جو کسی زمانے میں بند ہو چکا تھا از سر نو پھر جاری کیا گیا۔

پس صبر کرنے والے دنیا میں پیدا کرنے ہوں گے اور صبر کا عشق الٰہی سے تعلق ہے کیونکہ کوئی مصیبت دنیا میں عشق کے بغیر آسان نہیں ہوسکتی اور جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ان کے سامنے اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپنے لگ جاتے ہیں۔ تو مراد یہ ہے کہ محبت کے غلبہ سے کانپ اٹھتے ہیں اور ایسے لوگوں کو ہر دوسری مصیبت اللہ کی خاطر آسان دکھائی دیتی ہے کیونکہ اللہ ہی ہے جو سب کچھ عطا کرنے والا ہے۔ وہی مقصود ہے، وہی مطلوب ہے، اسی نے پیدا کیا، وہی واپس

لے جانے والا ہے۔ پس محبوب کا ہاتھ کچھ دے کر واپس لے تو جاہل ہوگا جو اس ہاتھ کو جھٹک دے، پاگل ہوگا جو اس ہاتھ کو جھٹک دے، عشق سے عاری ہوگا جو اس ہاتھ کو جھٹک دے۔ پس اللہ کا ہاتھ جب کچھ دیتا ہے اور پھر واپس لے لیتا ہے یا اس کی تقدیر بعض طاقتوں کو اجازت دیتی ہے کہ تمہیں کچھ نقصان پہنچائیں تو چونکہ یہ سب کچھ رضائے باری تعالیٰ کی خاطر مومن کو بہرحال برداشت کرنا ہے کیونکہ اللہ کی محبت کی خاطر اس کی سب تقدیر کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہوتا ہے۔ یہ ہی ایک عاشق کا مزاج ہے اسی لئے اس کے معاً بعد اللہ تعالیٰ نے صبر کا مضمون بیان فرمایا کہ یہ وہ لوگ جو حج کی پیداوار ہیں یعنی ملت واحدہ کا جزو ہیں جو تمام مختلف قوموں میں پیدا ہوئے ان میں قدر مشترک رکھنے والے یہ لوگ ہیں یعنی وہ جو اللہ کی محبت میں گرفتار، اس سے کلیۃً مغلوب اور پھر وہ جو خدا کی خاطر ہر دوسرے نقصان کو شوق سے برداشت کر لیتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنا بیٹا مبارک احمد بہت پیارا تھا مگر جب وہ فوت ہوا تو دیکھیں کیسا پیارا کلام ہے جس میں آپؑ نے اس مضمون کو بیان فرمایا کہ مبارک ہمیں بہت پیارا تھا۔

ے وہ آج ہم سے جدا ہوا ہے ہمارے دل کو حزیں بنا کر

لیکن پھر یہ فرمایا:

بلانے والا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

(درثمین صفحہ:۱۰۰)

ٹھیک ہے بہت پیاری چیز تھی جو واپس چلی گئی لیکن جس نے بلایا ہے وہ سب سے پیارا ہے پس اس پیارے کی خاطر ادنیٰ پیاروں کو رخصت کر دینا یہی صبر ہے اور اس پر واویلا نہ کرنا یہی صبر ہے اور یہی مفہوم ہے اس آیت کا۔

اس کے بعد فرماتا ہے وَالْمُقِيمِي الصَّلٰوةِ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کو قائم کرتے ہیں۔ عبادت اللہ سے محبت کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے جو ایک باقاعدہ طریق کے مطابق ہمیں سکھایا گیا ہے۔ اگرچہ ذکر الٰہی بھی عبادت میں داخل ہے۔ اللہ کے تعلق میں ہر وہ حرکت جو انسان اپنی زندگی میں کرتا ہے اگر وہ تعلق کے تابع ہے اور اللہ کے تعلق میں رونما ہو رہی ہے تو وہ سب کچھ بھی عبادت بن جاتا ہے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ بھی ڈالتے ہو اس

لئے کہ اللہ چاہتا ہے کہ تم اپنی بیوی سے حسن سلوک کرو تو یہ بھی تمہاری عبادت ہے۔ تو عبادت کا مضمون تو انسانی زندگی کے ہر جزو، ہر سکون، ہر حرکت پر حاوی ہے لیکن یہاں وہ عبادت مراد ہے جو با قاعدہ ہر مذہب میں ایک خاص طریق کے مطابق سکھائی جاتی ہے۔ اسے قائم کرنا پڑتا ہے۔ اس کی حفاظت کرنی پڑتی ہے اور یہ وہ با قاعدہ عبادت ہے جو عشق کا لازمہ ہے۔ عشق کے نتیجے میں ایک با قاعدہ طریق کے مطابق اپنے محبوب کی چوکھٹ پر حاضری دینا، اسی کا نام عبادت ہے۔ تو پھر وہ یہ عبادت کرتے ہیں اور عبادت انہیں کیا سکھاتی ہے؟

صبر کا ایک اور مضمون ہے جو یہاں بیان ہوا ہے۔ پہلے صبر کا یہ مضمون تھا کہ اپنے محبوب کی خاطر وہ چیزیں جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہیں، جن پر تمہارا اختیار نہیں ہے ان کے کھو جانے پر واویلا نہ کرو بلکہ اپنے پیارے کی خاطر اس نقصان کو قبول کر لو اور سر تسلیم خم کرتے ہوئے قبول کرو۔ اس کے نتیجے میں تم اس کا اور بھی زیادہ پیار حاصل کرو گے لیکن جس مضمون سے بات شروع ہوئی اب آخر پر یہ فرمایا گیا کہ اس کے نتیجے میں ان کو دنیا کی چیزوں کی محبت ہی کم ہو جاتی ہے اور نہ صرف یہ کہ وہ کرهاً مجبور ہو کر اپنے ہاتھ سے کھوئی ہوئی چیزوں پر صبر کرتے ہیں بلکہ جن باتوں میں مجبور نہیں ہیں وہ چیزیں ان کی ہیں، ان کے قبضہ قدرت میں ہیں، اللہ کی طرف سے اجازت ہے جیسے چاہیں استعمال کریں، پھر بھی اس کی راہ میں شوق سے خرچ کرتے ہیں۔ تو طوعاً و کرهاً کا مضمون ہے جو ان آیات میں بہت ہی پاکیزہ انداز میں بیان ہوا ہے کہ جو کچھ مجبوراً ان کے ہاتھ سے جاتی رہے وہ بھی خدا ہی کی طرف جاتی ہے، خدا ہی کی خاطر اسے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اور خدا کی رضا جوئی کرتے ہوئے قبول کرتے ہیں اور پھر خدا کی رضا حاصل کرنے کے لئے وہ چیزیں جو ان کے قبضہ قدرت میں ہیں، کوئی ان سے چھین نہیں سکتا، کوئی ان سے زبردستی لے نہیں سکتا۔ محبت الٰہی سے مجبور ہو کر اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ تو یہ ہیں وہ صفات حسنہ جو حج کرنے والوں کے لئے لازمی ہیں۔

ایک حج وہ ہے جو ظاہری اور رسمی حج ہے اور اس کے نتیجے میں بیت اللہ کا طواف کیا جاتا ہے یا ان مقدس تیرتھوں کا طواف کیا جاتا ہے جہاں لوگ یاترا کے لئے جاتے ہیں، جو بھی نام آپ رکھ لیں مگر حج کرنے والوں کے ذہن میں خدا کو راضی کرنے کا تصور ہے جو غالب ہے۔ پس جس مذہب

میں بھی ، جس قوم میں بھی ، جس خطہ ارض میں بھی خدا کی خاطر کسی مقدس مقام کی زیارت کی جائے اس کے لئے لازم ہے کہ یہ صفات حسنہ ساتھ لے کر وہاں چلے اور یہ وہ زاد راہ ہے جس کے نتیجے میں تمہارا سفر بخیریت تمام ہوگا۔ اگر یہ زاد راہ پاس نہیں اور ظاہری طور پر خواہ اس مقدس مقام کا نام مکہ رکھو یا کعبہ کہو جو چاہو کہہ لو یا بنارس رکھ دو یا متھرا، وہ بہر حال خدا کے حضور قابل قبول نہیں ہوگا۔ پس خدا بنی نوع انسان کو اکٹھا کرنے کے لئے حج پر ہمارے لئے ایک Exercise، ایک ورزش ، ایک کوشش، ایک جدوجہد مقرر فرماتا ہے اور ہر وہ شخص جو چاہتا ہے کہ اس کا حج قبول ہو اس کو ہر وہ فعل کرنا چاہئے جو اللہ کی رضا کی خاطر بنی نوع انسان کو اکٹھا کرنے والا ہو اور اس پہلو سے ایک امت واحدہ کی تعمیر کا کام آگے بڑھتا چلا جائے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون کو یوں بیان فرمایا ہے کہ دیکھو حج کی طرف جانا ہی کافی نہیں حج سے لوٹ کر آنا بھی بہت اہم ہے اور عجیب بات ہے کہ لوگ جانے کو تو اہمیت دیتے ہیں، لوٹنے کو اہمیت نہیں دیتے کہ کس حالت میں لوٹے ہیں۔ یہاں مراد یہ ہے کہ اگر تم ان صفات سے عاری ہو کر بھی گئے، اگر کچھ نقص رہ بھی گئے تھے تو حج ان نقائص کی کمی کو پورا کرتا ہے اور مقدس مقامات کی زیارت تمہارے دل کو حقیقی صاف پانی سے دھو ڈالتی ہے اور وہ نقائص جو اس سے پہلے رہ گئے تھے وہ نقائص جھاڑ کر تم واپس لوٹتے ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون کی طرف توجہ دلائی ہے کہ حج تو بڑے شوق سے کرنے جاتے ہو لیکن کبھی یہ بھی دیکھا ہے کہ لوٹے کس حالت میں ہو! کیا دل کو پاک اور صاف کر کے لوٹے ہو یا پہلے نقائص کو جھاڑ کر آئے ہو یا جیسے گئے تھے ویسے ہی لوٹ آئے ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"دیکھو حج کے واسطے جانا خلوص اور محبت سے آسان ہے"

یعنی پہلا سفر محبت کے نتیجے میں طے ہو جاتا ہے تم جیسا بھی ہو گر پڑ کر وہاں پہنچ جاتے ہو۔

"مگر واپسی ایسی حالت میں مشکل"

واپسی ایسی حالت میں مشکل ہے کہ واپس آؤ تو پھر اللہ کی محبت لے کر لوٹو اور بنی نوع انسان کے لئے بھی اللہ کی محبت کا پیغام لے کر واپس آؤ۔

"بہت ہیں جو وہاں سے نامراد اور سخت دل ہو کر آتے ہیں۔"

کتنے حاجی ہیں جو تقویٰ کی باتیں کرتے ہوئے جاتے ہیں اور واپس ایسی حالت میں آتے ہیں کہ پہلے سے زیادہ جرائم میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ نامراد اور سخت دل ہو کر آتے ہیں۔

''اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ وہاں کی حقیقت ان کو نہیں ملتی۔ قشر کو دیکھ کر رائے زنی کرنے لگ جاتے ہیں، وہاں کے فیوض سے محروم ہوتے ہیں اپنی بدکاریوں کی وجہ سے'' (یعنی) ''فیوض سے محروم ہوتے ہیں اپنی بدکاریوں کی وجہ سے''

کیونکہ بعض بدکاریاں ایسا پختہ رنگ اختیار کر لیتی ہیں کہ کسی پانی سے دھل نہیں سکتیں۔

''اور پھر الزام دوسروں پر دھرتے ہیں۔ اس واسطے ضروری ہے کہ مامور کی خدمت میں صدق اور استقلال سے کچھ عرصہ رہا جاوے تا کہ اس کے اندرونی حالات سے بھی آگاہی ہو اور صدق پورے طور پر نورانی ہو جاوے''۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۰ مؤرخہ ۱۷ مارچ ۱۹۰۳ء صفحہ: ۴)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب قادیان آنے کی لوگوں کو تاکید فرمائی تو ہرگز یہ مراد نہیں تھی کہ قادیان گویا ان کا حج ہوگا۔ یہ جو مضمون ہے جو میں نے آپ کے سامنے پڑھ کر سنایا ہے ان تمام شبہات کا ازالہ کرتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے باطنی نور کو اس شان سے روشن تر کر کے دکھاتا ہے کہ پہلے اس شان کے ساتھ بعض نظروں پر وہ ظاہر نہیں ہوا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس لئے جماعت کو قادیان کی طرف بلاتے تھے تا کہ ان کا حج قبول ہو۔ جب وہ حج کرنے جائیں اور یہاں سے صفا ہو کر پھر وہ بیت اللہ کی طرف روانہ ہوں تا کہ وہاں سے تمام فوائد اور فیوض جو وابستہ ہیں وہ ان سے عاری ہو کر نہ لوٹیں بلکہ ان سے پوری طرح متمتع ہو کر اور فیض اٹھا کر واپس آئیں۔ فرماتے ہیں اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ حقیقت ان کو وہاں نہیں ملتی، ان کو حقیقت دکھانے کے لئے ضروری ہے کہ کسی پاک کی صحبت میں رہیں اور یہ ایک عجیب فقرہ ہے جس کو غور سے سننا ضروری ہے۔ فرماتے ہیں:

''تا کہ ۔۔۔۔۔ صدق پورے طور پر نورانی ہو جاوے''

اب بظاہر تو انسان یہ سمجھتا ہے کہ صدق، صدق ہی ہے لیکن انسان کی فطرت میں درجہ بدرجہ

اتنے پردے ہیں کہ بعض چیزیں جن کو وہ سچ سمجھتا ہے اس ایک پردے کے پیچھے وہ سچ دکھائی دیتی ہیں مگر جب وہ پردہ اٹھا کر اگلی منزل پر پہنچتا ہے تو پردے کے پیچھے اسے جھوٹ دکھائی دیتا ہے اور جوں جوں وہ ترقی کرتا چلا جاتا ہے اس کو اپنے وجود کی اندرونی گہری باتوں پر، اندرونی حالتوں پر اطلاع ہوتی چلی جاتی ہے اور یہ اندھیروں سے نور کی طرف کا سفر ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ تم میں سے بہت ہیں جو بظاہر صدق کے ساتھ وہاں جاتے ہوں گے، ان کی نیتوں میں تو کوئی فتور دکھائی نہیں دیتا، سچائی ہی سمجھتے ہوں گے مگر اگر پاک انسان کی صحبت میں وہ زندگی بسر کریں، کچھ دن ٹھہریں تو ان کا صدق نورانی ہو جائے گا اور نور جس پردے میں بھی ہو نور ہی نور رہے۔ وہ پردوں کے ماورا کو روشن کر دیتا ہے۔ ظلمات نور پر قابض نہیں ہو سکتے۔ پس سچائی کی بھی مختلف حالتیں اور مختلف کیفیتیں ہیں۔ آپؑ فرماتے ہیں جب تک تمہارا سچ نورانی نہ ہو جائے اس وقت تک تم الٰہی نور سے پوری طرح فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

پھر حج کے مضمون پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''حج سے صرف اتنا ہی مطلب نہیں کہ ایک شخص گھر سے نکلے اور سمندر چیر کر چلا جاوے اور رسمی طور پر کچھ لفظ منہ سے بول کر ایک رسم ادا کر کے چلا آوے۔ اصل بات یہ ہے کہ حج ایک اعلیٰ درجہ کی چیز ہے جو کمال سلوک کا آخری مرحلہ ہے''۔ (ملفوظات جلد ۵ صفحہ: ۱۰۲-۱۰۳)

''کمال سلوک کا آخری مرحلہ ہے'' کیا مراد ہے؟ بہت سے ایسے حاضرین میرے سامنے بیٹھے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جو دنیا کے مختلف ممالک میں مختلف زمینوں پر میرے اس پیغام کو سن رہے ہیں جن کو زیادہ اردو سے واقفیت نہیں اور ہو سکتا ہے ترجمہ کرنے والے جو مختلف زبانوں میں ترجمہ کر رہے ہیں وہ بھی یہ لفظ نہ سمجھ سکیں۔ سلوک سے مراد ایک خاص اصطلاح ہے۔ خدا کی راہ میں ایک منزل سے دوسری منزل اور دوسری سے تیسری کی طرف ایک مستقل جاری سفر اس لئے ہر مقام جس پر اس سفر میں انسان پہنچتا ہے اسے سلوک کی منزل کہا جاتا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ سلوک کی آخری منزل کوئی بھی نہیں ایک لامتناہی سفر ہے مگر اس دنیا میں ایک ایسا مقام ہے جہاں پہنچ کر انسان یہ سمجھ سکتا ہے کہ میرے سفر کا منتہیٰ، جہاں تک میں پہنچ سکتا تھا وہ یہاں جا کے مجھے حاصل ہو جائے گا۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہاں تمام سلوک کی راہیں بند ہو جاتی ہیں۔ اس کا سمجھنا اس لئے ضروری ہے تا کہ آپ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام کا کوئی غلط مطلب دل میں نہ جما لیں۔ سلوک کی راہیں لامتناہی ہیں مگر ہر انسان کو سلوک میں ایک درجہ کمال حاصل ہو جاتا ہے اور اس کا سلوک اگرچہ ایک جاری سفر ہے مگر درجہ کمال کے ساتھ پھر جاری ہوتا ہے۔ سفر کے مختلف طریق ہیں، کبھی گر پڑ کر آپ سفر اختیار کرتے ہیں، کبھی سبک قدموں کے ساتھ وہ سفر جاری رکھتے ہیں، کہیں سفر کے تمام فوائد سے آپ استفادہ کر رہے ہیں، کہیں کئی قسم کے عوارض لاحق ہیں۔ سفر ہے مگر اس سفر کی لذت یابی سے محروم ہیں۔ کئی ایسے سفر ہیں جہاں خوش مناظر آپ کے دل پر قبضہ کرتے ہیں اور آپ کی آنکھوں کو لذت دیتے ہیں لیکن اگر بیمار ہوں اور تکلیف میں مبتلا ہوں تو انہیں مناظر کا سفر آپ کو کوئی بھی لذت نہیں پہنچاتا بلکہ محرومی کا احساس بڑھ جاتا ہے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جہاں ’’کمال سلوک‘‘ کا لفظ استعمال فرما رہے ہیں مراد یہ نہیں ہے کہ حج کے بعد آگے پھر سفر نہیں ہے۔ حج پر جا کر آپ کو سفر کے اسلوب آجائیں گے۔ اگر حج سے استفادہ کریں گے تو خدا کی راہ میں سفر کرنے کا بہترین طریق آپ کو میسر آئے گا۔ یہ مراد ہے جو حضورؑ فرما رہے ہیں ’’جو کمال سلوک کا آخری مرحلہ ہے‘‘ یعنی سفر کا آخری مرحلہ نہیں، سفر کے انداز کے کمال کا آخری مرحلہ ہے۔

’’سمجھنا چاہئے کہ انسان کا اپنے نفس سے انقطاع کا یہ حق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کی محبت میں کھویا جاوے اور تعشق باللہ اور محبت الٰہی ایسی پیدا ہو جاوے کہ اس کے مقابلہ میں نہ اسے کسی سفر کی تکلیف ہو اور نہ جان و مال کی پروا ہو، نہ عزیز و اقارب سے جدائی کا فکر ہو۔ جیسے عاشق اور محبّ اپنے محبوب پر جان قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے اسی طرح یہ بھی کچھ کرنے سے دریغ نہ کرے‘‘۔ (ملفوظات جلد ۵ صفحہ: ۱۰۲،۱۰۳)

پس کمال سلوک سے مراد یہ ہے کہ سفر، محبت کی اس آخری کیفیت میں اختیار کیا جائے اور جاری رکھا جائے جس تک ہر انسان کی رسائی ہے۔ ہر شخص ایک سی محبت نہیں کر سکتا۔ ہر شخص کی محبت کرنے کی صلاحیتیں مختلف ہیں اور ان صلاحیتوں کا اس کے ذوق سے بھی تعلق ہے۔ پس جہاں کمال سلوک کا ذکر ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ ہر انسان کے اندر اس

کی ایک کمال کی حد مقرر ہے اور وہ اپنا سفر اس حد سے ورے بھی شروع کر سکتا ہے۔ اس حد تک پہنچ کر اپنے سفر کو اپنے منتہٰی تک پہنچا سکتا ہے۔ پس حج سے تمہیں وہ چیز میسر آئے گی جو تمہارے سلوک کو کمال بخشے گی اور وہ کیا چیز ہے؟ وہ عشق الٰہی ہے کیونکہ کسی عبادت کا آخری مقصد ایسا نمایاں اور ظاہر و باہر عشق نہیں ہے جیسے حج کی عبادت اپنے تمام مناسک کے ساتھ آپ پر یہ مضمون ظاہر کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حج میں سر کے بال منڈوانے کا مضمون ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حج میں ایک چادر اوڑھ کر خدا کی راہ میں ننگے پاؤں دوڑنے بھاگنے کا مضمون ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض یادیں جن مقامات سے وابستہ ہیں ان مقامات کا دیوانہ وار چکر لگانا حج کہلاتا ہے اور یہ تمام دنیا کی قوموں میں قدر مشترک ہے۔

ہندوؤں کے مقدس مقامات پر مثلاً جگناتھ پوری میں بتایا جاتا ہے کہ جب جگناتھ کا رتھ وہاں سے نکلتا ہے تو لاکھوں عشاق دیوانے ہو جاتے ہیں ان کو اپنے تن بدن کا ہوش نہیں رہتا اور سینکڑوں ایسے ہیں جو رتھ کی راہ میں گرتے ہیں، اپنے بدن ڈال دیتے ہیں اور وہ رتھ ان کو بچانے کے لئے رکتی نہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ جو اس راہ میں شہید ہوا وہ اپنے مقصد کو پا گیا، وہ اللہ کے عشق کو پالے گا اور اس طرح سینکڑوں آدمی وہاں اپنی قربانیاں پیش کرتے ہیں۔ تو یہ عشق کا مضمون ہے ہر حج سے وابستہ ہے اور سب سے زیادہ اس کا تعلق بیت اللہ کے حج سے ہے۔ تمام تر انسان دنیا سے قطع تعلق ہو کر عاشقانہ حالت میں، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ کپڑوں کا خیال ترک کر کے ایک چادر میں سفر کے لئے نکل کھڑا ہوتا ہے، نہ اپنوں کی ہوش، نہ اقرباء کا خیال، نہ دوستوں کا تعلق، نہ دنیا کی متاع کا تصور اس کے دل پر قابض رہتا ہے۔ سب تعلقات کے رشتے منقطع کر کے وہ خدا کے حضور حاضر ہو جاتا ہے اور کیا دیکھتا ہے اور کیا پاتا ہے؟ کن جگہوں کی سعی کرتا ہے، کن میدانوں میں جا کے ڈیرے ڈال لیتا ہے؟ کن پہاڑوں کے دامن میں وہ ذکر الٰہی بلند کرتا ہے اور کس جگہ جا کر وہ سر منڈاتا اور قربانیاں پیش کرتا ہے؟ یہ سارے مضامین ہیں جن کا کچھ کچھ علم تو ہمیں ہے لیکن ان کی کنہ کا راز آج تک نہ اٹھایا گیا نہ شاید کبھی انسان کو معلوم ہو سکے۔ ایک مرکزی بات ہے کہ یہ عشق اور بعض بہت ہی محبوب خدا کے بندوں کی حرکتیں تھیں جن حرکتوں کو، جن کی اداؤں کو، زندہ رکھا جا رہا ہے۔ چنانچہ یہ وہی مضمون ہے جس کو ایک عرب شاعر یوں بیان کرتا ہے:

ے الا حـــی لیـلـٰـی و اطـلالهـا
ورمــلة ريـــا و اجبـــالهـــا

کہ دیکھو دیکھوا ے جانے والے! جب تم لیلیٰ کے مقام اوراس کے ٹیلوں کو دیکھنا جہاں میری محبوبہ لیلیٰ کچھ عرصہ زندگی بسر کر چکی ہے یا وہاں سے گزر چکی ہے، جن فضاؤں میں وہ سانس لے چکی ہے تو اسے میرا اسلام کہنا، ان ٹیلوں کو میرا اسلام کہنا، ’’ورملة ريا ‘‘اور ریا رملہ کے مقام اوراس کی پہاڑیوں کو میرا اسلام کہنا کیونکہ وہاں میری محبوبہ نے کچھ وقت گزارا ہے اور وہاں اس فضا میں اپنے سانس لئے ہیں۔

تو خانہ کعبہ کے حج پر جب لوگ جاتے ہیں تو انہیں معلوم نہیں کہ کون کون خدا کے پیارے تھے جنہوں نے کیا کیا عاشقانہ حرکتیں یہاں کی تھیں مگر چونکہ وہ قدیم ترین مقام ہے جہاں سے اللہ کی محبت میں فدائیت کے اظہار کا آغاز ہوا تھا اس لئے خدا ہی جانتا ہے کہ کس کس مذہب کے بانی وہاں گزرے ہیں اور بعد میں وہ کن کن مذاہب کے نام سے مشہور ہوئے۔لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ ان کا ذکر بہت طویل ہوگا اوران میں سے بہت سے ایسے مذاہب ہیں جن کو ہم جانتے ہیں ان کے بانی ہوں گے جن کو خدا نے یہ توفیق بخشی کہ ان مقامات پر آئے اور والہانہ عشق کا اظہار کیا۔بعض جگہ پڑاؤ ڈال کر بیٹھ گئے۔بعض جگہ انہوں نے سر منڈائے،بعض جگہ قربانیاں پیش کیں،بعض جگہ دیوانہ وار گھومے اور طواف کے ذریعہ اپنے عشق کا اظہار کیا۔تو ایک ہی مضمون ہے یعنی عشق کا مضمون، تمام زمانوں پر پھیلا پڑا ہے۔عتیق زمانے سے لے کر آج تک یہی مضمون ہے جو عبادت پر غالب ہے، جو خدا کے تعلق کے ہر رشتہ پر غالب ہے، وہی ہے جو بنی نوع انسان کے تعلق میں تبدیل ہوتا ہے اور یہی حج کی روح ہے۔

پس اگر اس حج کی روح کو قائم رکھنا ہے تو آپ کو تمام دنیا میں ان بنیادی صفات کو قائم کرنے کے لئے جہاد کرنا ہوگا جن کا ذکر قرآن کریم نے فرمایا ہے اور حج کے نام پر بنی نوع انسان میں نفرت پھیلانا اور تفریق کرنا حج کے مضمون سے بغاوت کرنا ہے، مذہب کی روح سے بغاوت کرنا ہے۔پس اللہ کے عشق میں ایسا کھوئے جائیں کہ وہ مقامات جہاں خدا کے پیارے بندوں نے سانس لئے ہیں وہ بھی آپ کو پیارے لگنے لگیں۔وہ پہاڑ، وہ ٹیلے، وہ میدان، جہاں دیوانہ وار خدا کے

عاشق گھومتے پھرتے رہے ان مقامات کو دیکھیں تو خدا کی محبت سے آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں۔ان مقامات میں سانس لیں اور الله اکبر الله اکبر لا اله الاالله و الله اکبر الله اکبر و لله الحمد کے ترانے سنیں۔یہ عشق کی صدا بلند ہوتی دیکھیں اور سنیں تو آپ کے دلوں پر جھرجھری طاری ہو جائے ،آپ کے وجود پر ایک زلزلہ آجائے اور یہ سب کچھ عشق کے نتیجہ میں ہو اور پھر جہاں بھی خدا کے عشق کرنے والے بندے اس طرح اپنے اپنے مقامات پر، اپنے اپنے مقدس مقامات پر حج کر رہے ہوں ان کے لئے دلوں میں نفرت اور تکبر کی وجہ سے ان کو نیچا دیکھنا آپ کے تصور میں بھی نہ آئے۔ وہ بھی اپنے اپنے خیال میں چاہے صحیح تھا یا غلط اس حج کی تیاری کر رہے ہیں جس حج نے بالآخر عالمگیر ہونا ہے۔اس حج کی تیاری کے لئے ان کو یہ طریق سکھائے گئے ہیں، یہ مناسک سکھائے گئے ہیں جو تمام دنیا کی امتوں کو سکھائے گئے اس لئے کہ بالآخر جب امت واحدہ بنائی جائے گی ،محمد مصطفیٰ ﷺ کے ہاتھ پر تمام دنیا کے، تمام عالمین کے لوگ ایک ہاتھ اور ایک جھنڈے تلے جمع ہوں گے وہ حج اکبر کے دن ہوں گے۔

آپ اے احمدی جماعت! آپ کو اس کام پر مامور بنایا گیا ہے، آپ کو اس اعلیٰ مقصد کا خادم مقرر فرمایا گیا ہے اور میں ادنیٰ سے شبہ کے بغیر بھی، کامل یقین سے خدا کو گواہ ٹھہرا کر بتاتا ہوں کہ وہ حج جو آئندہ زمانوں میں جماعت احمدیہ کی خدمات کے نتیجے میں خدا کے ہاں جب مقبولیت حاصل ہوگی ان کو، اس کے نتیجے میں بالآخر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خاطر تمام بنی نوع انسان کریں گے، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خاطر ان معنوں میں کہ عاشق صادق سب عاشقوں سے بڑھ کر آپؐ ہیں، آپؐ سے عشق کے رنگ سیکھتے ہوئے وہ حج ادا کریں گے جو عالمگیر حج ہوگا جو آئندہ زمانوں میں لازماً ہوگا، وہ حج ہے جو حقیقت میں محمد رسول اللہ ﷺ کے ادا کئے ہوئے حجوں کے بعد حج اکبر ہوگا جس سے تمام دنیا کے انسان اکٹھے ہو جائیں گے۔ان کو اکٹھا کرنے کے انداز آپ نے سکھانے ہیں، ان کو اکٹھا ہونے کی تربیت آپ نے دینی ہے اور وہ وہی صفات حسنہ ہیں جن کا ان آیات میں بیان ہوا ہے۔ان صفات حسنہ کے آپ پجاری بن جائیں، ان کے خادم بن جائیں، ان کا پرچار کرنے والے ہو جائیں، ان کے منادی بن جائیں، تب تمام دنیا کو ایک ہاتھ پر، ایک جگہ اکٹھا کرنے کی داغ بیل ڈالی جائے گی۔ وہ خانہ کعبہ جو بیت عتیق تھا وہ اول بھی ہوگا اور آخر بھی ہوگا اور اس طرح وہ مضمون

جو آغاز آفرینش سے شروع ہوا تھا وہ اپنے منتہٰی کو پہنچے گا۔ اللہ کرے کہ ہمیں وہ توفیق نصیب ہو کہ کام بہت مشکل ہے، ہم بہت کمزور ہیں مگر دعاؤں کی برکت سے اپنی اقدار کی حفاظت کرتے ہوئے، آپ مسلسل اس سفر میں عشق کے ساتھ آگے بڑھتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے مقاصد میں ضرور کامیاب فرمائے گا۔

اب اس کے بعد میں بعض دعاؤں کی تلقین کرتا ہوں۔ وہ تمام نفرتیں جو انسان کو دوسرے انسان سے بانٹے ہوئے ہیں وہ تمام مظالم جو طاقتور قوموں کی طرف سے کمزور اور نہتی قوموں پر برپا کئے جا رہے ہیں آج کے دن خصوصیت سے ان کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں کہ اللہ ظالموں کو ظلم سے رکنے کی توفیق عطا فرمائے۔ مظلوموں کا حامی ہو اور مظلوموں کی حمایت میں اور بنی نوع انسان کو کھڑا کرتا چلا جائے تاکہ وہ بے سہارا نہ رہیں۔ اللہ ہی کی تائید ہے جو انسانی تائید کی صورت میں یا فرشتوں کی تائید کی صورت میں ظاہر ہوا کرتی ہے۔ سب سے اول میرے نزدیک بوسنیا کے مظلوم ہیں۔ پھر کشمیر کے مظلوم ہیں، پھر اور قوموں کے مظلوم ہیں۔ بنی نوع انسان بحیثیت بنی نوع انسان میرے پیش نظر ہیں، کوئی سیاست میرے سامنے نہیں۔ نہ اس وقت ہندوستان میرے سامنے ہے نہ پاکستان میرے سامنے ہے۔ کچھ ظلم ہندوستان میں ہو رہے ہیں، کچھ پاکستان میں ہو رہے ہیں، کچھ بوسنیا میں ہو رہے ہیں کچھ فلسطین میں ہو رہے ہیں کچھ دنیا کی دوسری قوموں میں دوسرے مقامات پر ہو رہے ہیں۔ پس ظلم کے خلاف جہاد ہے جو میرے پیش نظر ہے، سیاست کا میرے ذہن میں دور تک کوئی تصور بھی موجود نہیں۔ عالمگیریت کے نقطہ نگاہ سے جماعت احمدیہ عالمگیر کی امامت کا حق ادا کرتے ہوئے میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ ظلم کے خلاف دعاؤں سے اپنے جہاد کا آغاز کریں کیونکہ ایک کمزور انسان اپنے آپ کو اس لائق نہیں پاتا کہ ظلم کے ہاتھ روک سکے۔ جب ایک انسان بے بسی میں دوسرے کا دکھ محسوس کرتے ہوئے اور بھی زیادہ دکھی ہو جاتا ہے کیونکہ ایک تو اس کے بھائی کا دکھ ہے دوسرے بے اختیاری کا دکھ ہے اور بے اختیاری کا دکھ سب سے بڑا دکھ ہوا کرتا ہے۔ بعض مظالم بوسنیا میں ایسے کئے گئے کہ باپوں کو باندھا گیا اور ان کے سامنے ان کی بیٹیوں کی بے عزتیاں کی گئیں، ان کی بیویوں کی بے عزتیاں کی گئیں، ان کے بچوں کے سر کاٹے گئے یا دیواروں کے ساتھ پھوڑے گئے اور یہ سارے مظالم اس بے بسی کے عالم میں آپ اندازہ کریں کیا محشر برپا کر چکے ہوں گے؟ کیا حشر ان

کے دلوں پر برپا کر چکے ہوں گے؟ پس ایک تو ظلم کو دیکھنا بہت تکلیف کا موجب ہے لیکن پھر بے بسی، وہاں صبر کام آتا ہے اور صبر چونکہ اللہ کی خاطر ہوتا ہے اس لئے صبر ہمیشہ دعاؤں سے ڈھلتا ہے۔ پس ان معنوں میں آپ صبر کے ساتھ ساری دنیا کی قوموں کے لئے دعا کریں۔ خدا کرے کہ یہ دنیا ظلم سے پاک ہو جائے۔ جب تک یہ دنیا ظلم سے پاک نہ ہو صداقت قبول کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی، آپ کی ساری کوششیں بے کار جائیں گی۔ آپ ظالموں کے دلوں کو خدا کی محبت میں تبدیل نہیں کر سکتے جب تک ظلم ان کا پیچھا نہ چھوڑے، جب تک ظلم کی ناپاکی اور فسق و فجور ان کے دلوں سے دھو کر الگ نہ کر دیئے جائیں۔ پس آیئے ہم سب مل کر خدا سے عرض کرتے ہیں، اس کے حضور یہ التجا کرتے ہیں کہ اے اللہ! اس دنیا کو ظلم سے پاک کر اور عدل سے بھر دے! ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہماری ادنیٰ کوششیں تیرے ہاں مقبولیت پائیں اور تیری تقدیر یہ کام کر کے دکھائے۔ خدا کرے کہ ایسا ہو کیونکہ جب تک ایسا نہ ہوا اسلام کا عالمگیر غلبہ ممکن نہیں ہے۔

اس کے بعد حضور نے خطبہ ثانیہ ارشاد فرمایا اور دعا کروائی۔ دعا کے بعد فرمایا:

آپ سب کو جو یہاں موجود ہیں اور ان سب کو بھی جو یہاں موجود نہیں اور فضائی رابطوں کے ذریعہ ہماری مجلس میں شامل ہیں اور ان سب کو بھی جو ان دونوں مجالس میں موجود نہیں لیکن ان تک یہ پیغام بالآخر پہنچیں گے میں اپنی طرف سے اور تمام جماعت یو۔ کے کی طرف سے اور پھر تمام عالمگیر جماعت احمدیہ کی طرف سے عید مبارک کا پیغام تحفۃً پیش کرتا ہوں۔ اللہ یہ عید آپ سب کیلئے مبارک کرے اور یہ قربانیوں کی عید ایسی قربانیوں کی عید بنے جو مقبول قربانیاں ہوتی ہیں۔ اللہ ہمیں توفیق بخشے کہ تمام بنی نوع انسان کے دکھ اس طرح بانٹیں کہ دکھوں کو رحمتوں اور نعمتوں میں تبدیل کر کے اپنی دعاؤں اور نیک کوششوں کی برکت سے انہیں واپس پہنچائیں اور یہ عید قربانیوں کی عید ان معنوں میں بھی بن جائے کہ دنیا کی مظلوم قومیں اس سے فائدہ اٹھائیں اور ہماری مقبول دعاؤں کا فیض سب کو پہنچے۔ یہ وہ مضمون ہے جس کو ذہن نشین رکھیں۔ عید تو اب آ کے گذر جانے والی ہے مگر یہ جہاد اور یہ کوششیں جن کا میں نے ذکر کیا ہے یہ نہ گذر جائیں یہ آپ کے ساتھ ساتھ رہیں تو پھر انشاء اللہ ہماری ہر عید پہلی عید سے بہتر ہوتی چلی جائیگی۔

اس وقت باہر بارش ہو رہی ہے اگر چہ موسم کی پیشگوئیاں تو کچھ مختلف تھیں مگر بارش ہو رہی

ہے اور یہاں تو عید کے بعد مختلف مجالس لگا کرتی تھیں ان میں کچھ دقت ہوگی۔ ہوسکتا ہے کچھ لوگ کھانا پکا کے آئے ہوں اور وہ موٹروں میں بیٹھ کر یہیں کھانا کھائیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو باربی کیو یعنی گوشت کو آگ پر بھون کر کباب بنانے کا انتظام کر کے آئے ہونگے انکے لئے ذرا مشکل ہے تو میں نے اپنی دعا میں یہ دعا بھی ساتھ کر لی تھی حوالینا و لا علینا۔ اور حیا پردے کی روح ہے تو ایسی مجالس سے جب گذریں تو نظریں نیچی کر کے گزریں۔ پردہ کرنا صرف خواتین کا کام نہیں مردوں کا بھی بدرجہ اولیٰ کام ہے وہ بھی اپنی نظروں میں حیا پیدا کریں۔ ہم ہر دفعہ عورتوں کو حیا کا کہتے ہیں مردوں کو گویا کہ حیا سے کلیۃً چھٹی ہوگئی ہے اور پردے کا سب سے بڑا نقصان مردوں کو پہنچا ہے' بے پردگی کا' اور سب سے زیادہ ذمہ داری حیا کی اس لحاظ سے مردوں پر عاید ہوتی ہے تو آپ اپنی نظریں بچائیں۔ کچھ خواتین حیا کی کوشش کریں جس حد تک اس کو ظاہری طور پر نباہ سکتی ہیں تو دونوں طرف سے جب اس طرح حیا ہوگی تو پھر ایک دوسرے کو نہیں پہچانیں گے۔ ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے نہیں۔

اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا ایک ہمارے ہاں کالا باغ کی طرف بہت بڑے ڈاکو تھے غالبًا محمد خان نام تھا اور علاقہ میں ان کی بہت دہشت تھی ان کو اشتہاری مجرم قرار دے دیا گیا اور اعلان تھا کہ جو دیکھے چاہے اس کو گولی مار دے کوئی اس کا جرم نہیں ہوگا اور جو پکڑے گا اس کو لاکھوں کا انعام ملے گا تو ہمارے ایک احمدی معزز جو اس علاقے سے تعلق رکھنے والے تھے اور محمد خان کو جانتے تھے وہ ایک دفعہ ایک قصبہ میں گھوم پھر رہے تھے تو انہوں نے دیکھا کہ محمد خان سامنے سے کھلے بندوں آ رہا ہے اور کوئی پرواہ نہیں اور عام اس شہر میں پھر رہا اور یہ اشتہار بھی لگے ہوئے اور محمد خان بھی پھر رہا ہے تو محمد خان نے اس کو جھک کر سلام کیا۔ ڈاکوؤں میں بھی کسی زمانے میں نیکی کا احترام پایا جاتا تھا اب تو ڈاکو پکڑنے والوں میں بھی نہیں پایا جاتا۔ تو محمد خان کا سلام قبول کرنے کے بعد بات کی کہ محمد خان! مجھے تعجب ہے یہ دیکھو اتنے اشتہار لگے ہوئے ہیں، میں جانتا ہوں تمہارا رعب ہے، یہ لوگ تمہیں نہیں پکڑ سکیں گے لیکن تھانے دار بھی تو کبھی ان گلیوں میں گھومتا ہے اگر اس سے آمنا سامنا ہو گیا تو کیا کرو گے۔ اس نے کہا جناب آپ نہیں جانتے میری آنکھوں میں بھی بڑی شرم ہے اور تھانے دار کی آنکھوں میں بھی بڑی شرم ہے۔ کوئی بے حیا تھانے دار نہیں ہے یہاں۔ جب میں اسے دیکھتا ہوں

تو شرم سے آنکھیں نیچی کر لیتا ہوں اور جب وہ مجھے دیکھتا ہے تو شرم سے آنکھیں نیچی کر لیتا ہے۔ تو کم از کم اتنی شرم تو کر لیں جتنی محمد خان میں تھی۔ اللہ تعالیٰ آپکا حامی و ناصر ہو۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ۔

مصافحہ کرنے کے بارہ میں کسی کے استفسار پر حضور نے فرمایا کہ:

بڑی عید پر مصافحہ نہیں ہے۔ مجھے بچپن سے یاد ہے کہ حضرت مصلح موعود بھی مصافحے کیا کرتے تھے تو چھوٹی عید پر کیا کرتے تھے بڑی عید پر نہیں اور اس کے پیچھے روح یہ ہے کہ عید کے بعد قربانیاں دینی ہوتی ہیں اور بعضوں نے ناشتہ بھی نہیں کیا ہوتا جنہوں نے قربانی دینی ہو اس لئے مصافحہ نہیں ہوگا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ